© rasailojaraid.com

ترجمہ یوں کیا گیا ہے:

"وہی لوگ بے شبہ اس دنیا میں صاحبِ حکومت و اقتدار ہیں جو نمازیں قائم رکھتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں .... الخ"

حالانکہ اگر مؤلف نے خود قرآن میں اس آیت کو پورے سلسلۂ کلام کے ساتھ دیکھا ہوتا تو وہ یہ معنیٰ کبھی نہ کرتے۔ اسی طرح متعدد آیات کے ترجمے محلِ نظر ہیں۔

ایک صاحبِ نظر اس کتاب کو پڑھتے ہی یہ اندازہ کرنے پر مجبور ہوگا کہ مؤلف نے اسلام کے سیاسی و تمدنی نظام کا مطالعہ اصل ماخذ سے منظم طور پر (SYSTEMATICALY) نہیں کیا ہے بلکہ منتشر طریق سے معلومات جمع کی ہیں۔ حالانکہ کتاب کا موضوع باقاعدہ ریسرچ کا متقاضی تھا۔

مجموعی طور پر یہ کتاب اسلام کے حق میں ہے اور تجدد پسندوں کے من گھڑت نظریات سے متصادم ہے۔ اس کا اصل مقصد اسلام کو مسخ کرنا یا اس کو مادہ پرستانہ تہذیب کے سانچے میں ڈھالنا نہیں، بلکہ اس کی اصل قدروں کی ترجمانی کرنا ہے۔ یہ وہ جوہر ہے جو اس کی کمزوریوں اور کوتاہیوں کے مقابلے میں زیادہ قابلِ لحاظ ہے۔

تجدیدِ تصوف و سلوک

از: جناب مولانا عبدالباری صاحب ندوی سابق استاذ فلسفہ و دینیات عثمانیہ یونیورسٹی۔
ملنے کا پتہ: مولوی سعید الباری صاحب، شبستانِ قدم رسول، ہارڈنگ روڈ لکھنؤ۔
قیمت: مجلد مع گرد پوش سادہ (صفحات ۴۹۲) ۵ روپے۔

اس کتاب میں فاضل مؤلف نے تصوف کی اہمیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کی حقیقت ایک خاص عقلی انداز سے کی ہے۔ اور اس سارے علمی کام میں مولانا اشرف علی مرحوم کے نقطۂ نظر کو اپنا رہنما بنایا ہے۔ مولانا مرحوم نے تصوف کو عجمیت کے اثرات سے پاک کرنے اور شریعت سے اس کی بے نیازی کو ختم کرنے کے لئے جیسی کچھ کوشش کی ہے وہ مولانا کی تحریروں اور اقوال کے ان تمام حوالوں سے از خود واضح ہوتی ہے جن سے فاضل مؤلف نے کتاب کو مزین کیا ہے۔ بہر حال تصوف و سلوک کی حقیقتوں کی یہ محتاط ترین تعبیر ہے جو اس وقت ہمارے سامنے ہے۔

© rasailojaraid.com

تصوف کی ساری عمارت احسان کے تقاضوں پر کھڑی ہوتی ہے اور یہ وہ اصطلاح ہے جسے ایمان و اسلام کے ساتھ نبی صلعم نے خود استعمال فرمایا تھا۔ لیکن آگے چل کے احسان کے سیدھے سادے تقاضے ٹکنیکل شکلیں اختیار کرتے کرتے کچھ کے کچھ بن گئے۔ پیشِ نظر کتاب تصوف کے پورے نظام کا تجزیہ کر کے اس کے مطابق اسلام کے اجزاء کو واضح کرنے کے لئے لکھی گئی ہے! ذوقِ تصوف رکھنے والوں کے لئے اس کا مطالعہ بعض دوسری کتابوں کے مقابلے میں زیادہ مفید ثابت ہوگا۔

جناب مؤلف اپنی کتاب میں اگرچہ تصوف کا ایک بہتر تصور دلاتے ہیں، لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ تاریخِ تصوف نے اپنے ساتھ بعض ایسے غیر صحیح اثرات لے لئے ہیں جن سے یہ کتاب بھی بالاتر نہ رہ سکی۔

سب سے پہلی چیز جو کھٹکتی ہے وہ شریعت اور تصوف یا فقہ ظاہر اور فقہ باطن یا علماء اور صوفیا کی تقسیم کا ایک مستقل تصور ہے جو دو شعبوں کو الگ الگ کرتا ہے، ان کے ماہرین کو دو صنفوں میں بانٹتا ہے اور ان میں علیحدگی کا احساس پیدا کرتا ہے حالانکہ خود دینِ برحق نے اپنے سہ گونہ تقاضوں (ایمان، اسلام، احسان) کو ترکیب دے کر شئے واحد کی حیثیت سے پیش کیا تھا، انبیاء نے ہمیشہ ایک ہی جامع دعوت انسانوں کے سامنے پیش کی، اور ان کی تعلیم و تزکیہ کا ایک وحدانی سسٹم اختیار کیا تھا۔

دوسری چیز وہ فراری ذہنیت ہے جو چھٹی صدی ہجری کے دورِ پرفتن میں سیاست و تمدن کی بازی ہر کر پسپا ہونے والوں کے ساتھ خانقاہوں میں داخل ہو گئی اور تصوف کے نظام میں جب وہ رچ بس گئی تو اس نے ایمان، اسلام اور احسان سب کو انفرادی زندگی سے متعلق کر دیا۔ اس طرح جب تصوف پروان چڑھا تو اس کی نگاہ تمدن و سیاست کے اجتماعی فساد سے بے نیاز ہو کر افراد سازی پر ایسی مرتکز ہوئی کہ نظامِ اجتماعی میں انقلاب برپا کرنے کی ذمہ داریاں بالکل پسِ پشت ڈال دی گئیں۔ اچھے سپاہی بنانے کا ٹکنیکل پروگرام جتنا ترقی کرتا گیا وہ اصل معرکہ نگاہوں سے اتنا ہی اوجھل ہوتا گیا جس کے لئے ساری سپہ گری شروع کی گئی تھی۔ پیشِ نظر کتاب بھی بڑی حد تک اسی انفرادی تصوف کی حامل ہے۔

تیسری چیز جسے ہم نے محسوس کیا ہے وہ تصوف کے اس اجتہادی قالب، بلکہ اس کے چھوٹے سے چھوٹے اجزا کا ضرورت سے بڑھا ہوا احترام ہے جسے ہم نے ایک طویل تاریخ سے ورثے میں پایا ہے۔ بیعت کا سسٹم کشف و

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرامات کا فلسفہ، مراقبوں اور تربیتِ نفس کی ورزشوں کا پروگرام، اذکار و اوراد کا ضابطہ وغیرہ فنیات جس طرح پروان چڑھ گئے ہیں، اب ان میں سے ہر چیز مقدس اور اٹل بن گئی ہے اور ہر تصوف پسند کا یہ فرض قرار پاگیا ہے کہ وہ اس پورے ورثے کے ایک ایک جز کی قدر و قیمت قائم رکھنے کے لئے عقلی تاویلیں کرے۔ حالانکہ کتاب و سنت سے احسان کا جو اصل جوہر اور اس کے منصوص اصول حاصل ہوتے ہیں، اٹل اور مقدس صرف وہ ہیں اور ان پر جو قالب ایجاد و اختراع کی قابلیتوں کے ساتھ تعمیر کیا گیا ہے، ضروری نہیں کہ تا قیامت اسے شوشہ بشوشہ قائم رکھا جائے اور زمانے کے تقاضوں اور وقت کے ذہن کے پیشِ نظر اس میں کسی ترمیم کی جرأت نہ کی جائے۔ تجدیدِ تصوف و سلوک کے مباحث و مطالب بہرحال تصوف کے مروجہ اجتہادی قالب ہی کے گرد گردش کرتے ہیں۔ یہ قالب اتنا بدنام ہو چکا ہے اور اس کے ساتھ ایسی روایات وابستہ ہو چکی ہیں کہ اس کو جہاں لے کے جائیے وہیں اس کے مخصوص اثرات ظاہر ہو کے رہیں گے۔

چوتھی چیز جس کی طرف ایک تبصرہ نگار اشارہ کئے بغیر نہیں رہ سکتا، اہلِ تصوف کا وہ مخصوص اندازِ تفلسف ہے جو ہر سیدھی سادی بات کو پُرپیچ اور پُراسرار بناتا رہتا ہے۔ ہر بات میں سے نکتے نکالنا، پھر چند نکتوں کو کسی نئے نکتے سے جوڑنا، پھر ان کے مجموعے سے کوئی اور بہتر خدا برآمد کرنا، پھر اس نکتہ آفرینی کے لئے ایک شاعرانہ سی ابہامی زبان استعمال کرنا ——— کہ وہ بجائے خود مزید نکتوں کو پیدا کرتی ہے ——— اور نہایت درجہ مصنوعی پن کے ساتھ حسن نظامی صاحب کی طرح روحانیات کے محل کھڑے کرنا درحقیقت تقاضائے اسلام نہیں ہے۔ تصوف کی اس روایت کا پرتو بھی کتاب پر پڑا ہے ——— اگرچہ اس کا تناسب ایسا ہے کہ گوارا کیا جا سکے۔

پانچویں چیز اس کتاب کی زبان، اس کا اسلوب اور اس کی اصطلاحات ہیں جو تصوف کے مروجہ قالب سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ جناب مؤلف نے بلاشبہ اپنی بات کو ہمارے دماغوں کے قریب کرنے کی خاص کوشش کی ہے، لیکن ہم انھیں یقین دلاتے ہیں کہ آج جس طبقے کو ہم تعلیم یافتہ طبقہ کہتے ہیں اس کے لئے تو بہرحال اس کتاب کو پڑھنے کی ہمت کرنا ہی مشکل ہوگا، کجا کہ وہ اس سے کچھ اپنے لئے اخذ کر سکے۔

ان چند ناقدانہ اشارات کا مدعا کتاب کی قدر و قیمت کو کم کرنا نہیں ہے، بلکہ ہم تصوف کے موضوع پر اسے ایک اہم کتاب سمجھتے ہیں۔

© rasailojaraid.com